جشنِ غالب

بہ اہتمام
روٹری کلب میرٹھ



حضرت غالب اور میرٹھ

مقالہ از:- حکیم سیف الدین احمد

۱۴ر فروری سنہ ۱۹۷۰ء

محترم صدر - خواتین وحضرات -

میرٹھ ایک قدیم شہر ہے - اس میں جلال بھی تھا اور جمال بھی - حسن بھی اور زندگی بھی - یہ صرف کوروں پانڈوں کی ہی جنم بھومی نہیں ہے بلکہ اسی متبرک شہر میں روحانیت کے علمبردار حضرت شاہ پیر صاحبؒ پیدا ہوئے اسی مقدس سرزمین میں حضرت گنج علم صاحبؒ اور حضرت شاہ نتھن صاحب آرام فرما ہیں -

اس ضلع کے جنگلوں میں بالیکی جی نے بسیرا کیا - اور رامائن جیسی کتاب وجود میں آئی - اسی مردم خیز خطہ میں حافظ امداد حسین صاحب ظہور - حکیم مولانا بخش صاحب قلق منشی تفضل حسین صاحب ذکا - مرزا رحیم بیگ صاحب رحیم - جارج پیش صاحب شور - حضرت بیان صاحب یزدانی - مولانا شوکت - جناب عیاں اور حضرت مولانا عندلیب کے علاوہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب و حضرت رنج صاحب جیسے شعرا کرام نے جنم لیا یہی وہ مقدس زمین ہے جہاں سے ۱۸۵۷ء میں آزادی کا نعرہ بلند ہوا -

روٹری کلب کے ممبران خصوصاً جناب بی ، ایس گاندھی قابلِ صد تحسین و تبریک ہیں کہ آج ہمکو جشنِ غالب منانے کی توفیق ہوئی - حضرت غالب اسی گنگا جمنی تہذیب کے پروردہ تھے جسکو اردو تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں - اردو اسی صوبہ خصوصاً مشرقی علاقہ میں پلی بڑھی اور جوان ہوئی کھڑی بولی نے اس کی آبیاری کی حضرت دلیر میرٹھی کی شاعری اس کی شاہد ہے - آج بھی ان کے گیت دوہے دیہاتوں میں سن لیجئے جو زبان زد عام ہیں -

اردو دکھن میں ضرور پیدا ہوئی - لیکن ہندوستان کی ایک مشترکہ

تہذیب اور تمدن کو اس نے ہی جنم دیا۔ ہر جگہ یہ پیش پیش رہی ہے۔ چنانچہ آج بھی انقلاب زندہ باد کے نعرے یہاں فضا میں معمور ہیں۔

حضرات۔ میرٹھ کی زمین کو غالب نے نوازتے ہوئے اپنے نقشِ قدم چھوڑے ہیں رامپور آتے اور جاتے ہوئے یہاں سے گذرے ہیں۔ میرٹھ کو یہ بھی بجا طور پر فخر ہے کہ غالب کے اردو مکتوبات کا پہلا ایڈیشن یہاں سے ہی شائع ہوا جس نے اردو کو ایک نئی اور سلیس روش دی۔ لیکن وہ میرٹھ سے گھبراتے بھی اتنا تھے کہ ۴ اگست ۱۸۶۵ء کو منشی نبی بخش حقیر کو اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔

"یہ سخت ماجرا ہے۔ عبد اللطیف کہاں اور میرٹھ کہاں۔ ایک صاحبزادہ نازپروردہ یہ بھی نہ جانتا ہوگا کہ بازار اناج کا کیا بھاؤ ہے اور گوشت کیا سیر بکتا ہے۔ صبح اٹھے باپ کے ہاں کی سواری پر چڑھ کر کچہری چلے گئے۔ آئے بھی تو اپنے بیوی بچوں میں روٹی کھائی۔ والدین سے مفارقت اور پھر خانہ داری کی مشقت۔ سواری رکھتا۔ تین آدمی سے کم میں کام نہ نکلے گا نوکری ایسی کیا ہے کہ جس میں یہ مدارج طے کر کے کچھ بچ جائے۔ صاحب یہ صورت تو بہت بری ہے ورنہ جتنا ملال تم کو ہے اس سے کم مجھ کو بھی نہیں ہے۔ میں بھی اتنا ہی ملول ہوں۔ ..... بارے اب اطلاع دیجئے کہ کس تاریخ کو روانہ ہوں گے۔ ظاہر یکم اگست سے اس دفتر میں ملازم ہوئے ہوں گے"

لیکن جس وقت حضرت غالب میرٹھ آتے ہیں تو میر مہدی حسن صاحب مجروح کے

نام کس مزے سے یہاں کا حال لکھا ہے۔

"تم مجرم نہ میں گنہگار۔ تم مجبور میں ناچار۔ لو اب کہانی سن لو۔ میری سرگزشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفیٰ خاں میعاد سات سال کے قید ہو گئے تھے۔ سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور انکو رہائی ملی۔ صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آبادی کی زمینداری دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز حکم کچھ نہیں ہوا۔ ناچار رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں۔ میں ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ آگیا۔ اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ اجانے کی یاد نہیں ہفتہ کے دن گیا تھا۔ منگل کو آیا آج بدھ ہے دوئم فروری مجھے آئے ہوئے نو دن ہو گئے ہیں"

دوسرا خط جو تفتہ کے نام ۲۶ فروری ۱۸۶۳ء کو لکھا ہے۔

"جواب میں دیر نگ اس راہ ہوئی کہ میں مصطفیٰ خاں کی ملاقات بہ سبیل ڈاک میرٹھ گیا تھا۔ تین دن وہاں رہا۔ کل وہاں سے آیا۔ آج تم کو خط بھجوایا"

تیسرا خط بھی ملاحظہ ہو جو ۱۸۶۳ء میں حکیم نجف خاں کے نام تحریر کیا ہے۔

"میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مراد نگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہونچا۔ نواب مصطفیٰ خاں نے ایک دن رکھ لیا آج ۱۶ جنوری ہے یہاں مقام ہے نو بج گئے ہیں۔ بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مفت کا کھانا ہے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شاہجہاں پور ہوں گا۔ مکتیر

رہوں گا مراد آباد سے پھر تم کو لکھوں گا۔"

اس کے بعد ۱۹ جنوری کو جس وقت رامپور روانہ ہوتے ہیں تو حضرت ثاقب کو ان منازل کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"غازی آباد کا حال شمشاد علی سے سنا ہوگا۔ ہفتے کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ پلکھوہ رہوں وہاں قافلہ کی گنجائش نہ پائی ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیئے۔ چار گھڑی دن رہے میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہنچا دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔۔۔۔ آج میں نے تمہارے والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے کے عمل میں ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابو گڈھ کی سرائے میں آ پہنچا۔ چارپائی بچھائی اور اس پر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔"

لیجئے خود مرزا غالب کی زبانی ہاپوڑ کی سرائے کا حال بھی سن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"میاں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شامی کباب اس میں ڈال دیئے رات ہو گئی تھی شراب پی لی کباب کھائے۔ لڑکوں نے ادھر کی کھچڑی پکوائی خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوایا۔ ترکاری نہ ڈلوائی۔ بارے آج تک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے آپس کے صلاح مشورے سے کام کرتے ہیں اتنی بات زائد ہے کہ حسین علی منزل پر اتر کر پاپڑ اور

مٹھائی کے کھلونے خرید لایا۔"

ایک خط میں مرزا تفتہ کے نام ۲۰ جنوری ۱۸۶۱ء میں رقم طراز ہیں کہ

"تمہارا خط میرٹھ سے آیا۔ مراۃ الصحائف کا تماشہ دیکھا ۔۔۔۔۔۔

جناب بھائی صاحب یعنی نواب مصطفےٰ خاں بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا ہمشیرہ کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے کیا عجب ہے کہ اس سے زیادہ خوشی اور تعجب بروئے کار آوے یعنی آپ کی پنشن بھی واگذاشت ہو جائے اللہ اللہ اللہ

حضرتِ غالب نے اپنے خطوط میں میرٹھ کا ذکر کافی کیا ہے لیکن میں ایک خط درج کر کے اس بات کو ختم کرتا ہوں یہ خط منشی شیو نارائن آرام کے نام ہے جو ۱۰ جنوری ۱۸۶۶ء کو لکھا ہے۔

" میاں۔ دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو۔ تب کچھ کلام کرو۔ میں رامپور میں تھا کہ ایک خط پہنچا۔ سرنامے پر لکھا تھا غرہ داشت عظیم الدین احمد من مقام میرٹھ۔ واللہ باللہ۔ اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ہیں اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہر حال پڑھا معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اٹھانے کے واسطے چھاپنا چاہتے ہیں بغیر جواب چھوڑا جب رامپور سے میرٹھ آیا بھائی مصطفےٰ خاں صاحب کے یہاں اترا۔ وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے قدیم دوست مجھکو ملے۔ انہوں نے کہا کہ اپنا اردو کا دیوان مجھکو بھیج دیجئے گا۔ عظیم الدین ایک کتاب فروش اسکو چھاپنا چاہتا ہے۔"

جناب والا۔ یہ فخر بھی میرٹھ ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلی کتاب جو انکی مخالفت میں

شائع ہوئی وہ بھبکیاں سے ہوئی اسکو مرزا رحیم بیگ صاحب نے ۱۸۶۵ء میں شائع کیا جسمیں قاطع برہان پر تنقید کی تھی۔

یوں تو حضرتِ غالب کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے لیکن ان شاگردوں میں سے سات حضرات میرٹھ کے شاگرد بھی تھے جن کا مختصر الفاظ میں تعارف کرانا ضروری خیال کرتا ہوں جن کا تذکرہ مالک رام صاحب نے تلامذہ غالب میں بھی کیا ہے ان شاگردوں میں۔ ۱۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ۲۔ حکیم فصیح الدین صاحب رنجؔ ۳۔ جناب عین الحق صاحب بے صبر کاشہوی۔ ۴۔ منشی خلیفہ حسام الدین الدنی۔ ۵۔ شیخ محمد صادق علی سوزاں گڈھ مکتیسری۔ ۶۔ مولانا قطب الدین دلاور۔ ۷۔ منشی شاکر علی غلام بسم اللہ میرٹھی۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کے نام نامی سے کون واقف نہیں۔ وہ محلہ مشائخان (اسمٰعیل نگر) میں ۱۲ نومبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے اور یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو وفات پائی ان کے صاحبزادے خان بہادر محمد اسلم سیفی بفضلہٖ بقید حیات ہیں۔ مولانا نے ۱۹۰۷ء میں لڑکیوں کے مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آج اسمٰعیل ڈگری کالج کی صورت میں آپ کے سامنے موجود ہے مولانا نے اردو، فارسی۔ نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا ہے۔ انکا اصل کارنامہ وہ نظمیں ہیں جو انہوں نے اپنی ناقابلِ تقلید اور عدیم المثال طرز میں بچوں کے لئے لکھیں۔ کلیاتِ اسمٰعیل اردو تذکرہ انکے کلام کا مجموعہ ہے۔ انہوں نے اپنے مرشد کے حالات نثر میں تذکرہ غوثیہ کے عنوان سے لکھے جسکا اردو ادب

میں ایک اہم مقام ہے۔ غیر مطبوعہ کتابوں میں اردو لغت اور دیگر کتابیں
ہیں جو اہل علم کی توجہ کی محتاج ہیں۔

رنج: میرے پردادا حکیم فصیح الدین صاحب رنج اپنے دور کے اہم طبیب
ہی نہ تھے۔ بلکہ اچھے شاعر بھی تھے۔ ۷۹ سال کی عمر میں ۱۳ مارچ ۱۸۸۰ء
کو وفات پائی۔ حضرت شاہ سلطان میں مدفون ہیں۔ رنج مرحوم کو
نعت سے بھی بہت شغف تھا چنانچہ مجموعہ گلشن نعت موجود ہے۔
دیوان زندگی میں مرتب نہیں ہوا البتہ ان کے فرزند ارجمند میرے دادا
حکیم فخر الدین صاحب شاد نے ۱۸۹۱ء میں شائع کر دیا اسکے علاوہ
انکی تالیف شاعرات کا اردو ادب میں پہلا تذکرہ بہارستان ناز بھی
یادگار ہے۔ جو حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

منشی شاکر علی بسمل۔ انکے والد سرفراز علی بانس بریلی کے رہنے والے تھے قوم کے
کمبوہ تھے بسمل میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ شاکر علی اصلی نام اور غلام بسم اللہ
تاریخی نام تھا مدتوں ناظر عدالت رہے پنشن لینے کے بعد بریلی میں جا بسے
تھے۔ نعت سے زیادہ شغف تھا چنانچہ نعتوں کا ایک مجموعہ نالۂ بسمل کے نام سے شائع
کیا تھا ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔

منشی علیم الحق صاحب صبر۔ موضع کاٹھے تحصیل باغپت کے رہنے والے تھے ابتدائی عمر سرکاری
ملازمت میں بسر کی۔ ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ میں موضع ٹھیکے پر لے لیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں
اسی موضع میں انتقال ہوا۔ انہوں نے ایک تذکرہ شعراء مرتب کیا اور ایک کتاب سرود شہری کے نام سے لکھی

منشی خلیفہ حسام الدین الدنی۔ باپوڑ ضلع میرٹھ کے نواح موضع الدن کے چشم و چراغ تھے ان کے

والد شیخ خدا بخش عاجز تخلص کرتے تھے۔ انکے فرزند مولوی عبدالباری آسی مشہور معروف ہستی تھے۔ انکا دیوان ناپید ہے البتہ کچھ اشعار موجود ہیں جن پر حضرت غالب کی اصلاح ہے۔

شیخ محمد صادق سوزاں گڑھ مکتیسر ضلع میرٹھ کا مشہور قصبہ ہے جو ایک بہت بڑا تیرتھ ہے۔ باشندے تھے۔ لیکن سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ میں بہ سلسلہ ملازمت انکا زیادہ وقت گذرا نعت کہنے کا شوق تھا عاشقانہ کلام میں سوزاں اور نعتیہ کلام میں سراج تخلص فرماتے تھے۔ نعتیہ دیوان ۱۸۹۳ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ ایک تذکرہ بھی لکھا تھا جو ناپید ہے۔ انکے صاحبزادے نثار علی شہر میرٹھ کے نامی پریس میں کام کرتے تھے۔

مولانا سید قطب الدین دلاور علی جعفری باپوڑی ۔ دلاور علی نام قطب الدین لقب اور آزری تخلص تھا۔ شاعری کے علاوہ طب خوشنویسی اور مصوری میں مہارت پیدا کی بلند شہر میں پیدا ہوئے مگر باپوڑ میں سرکاری اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہے اسکے بعد الور میں اپنے والد کی جگہ سررشتہ دار کلکٹری مقرر ہوئے۔ آخر میں ترقی کے چیف مجسٹریٹ ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں پنشن لیکر آگئے اور یہیں ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا۔ اکثر کلام فارسی میں ہے چنانچہ ایک دیوان قصائد اور ایک غزلیات کا موجود ہے۔ ریاضیات میں بھی ایک کتاب موجود ہے۔

حضرات مجھے یقین ہے کہ جہاں ہم جشنِ غالب منا رہے ہیں۔ وہاں شاملؔ جگرؔ یوم اسمٰعیل ولیمؔ رنجؔ کا بھی انعقاد کریں گے۔ اور اس زبان کو زندہ جاوید رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمکو توفیق عطا فرمائیں آمین اس لئے کہ۔ یہ ہندوستانی اقوام کی ایک ایسی مشترکہ زبان ہے جس میں قرآن کی حقانیت گیتا کا تقدس لیلیٰ مجنوں کا عشق۔ ہیر رانجھا کا پریم۔ ایک ہی باپ کے تحت آن بان دکھا رہے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو نے کہا تھا۔ "اردو ہم سب کا مشترکہ ورثہ ہے جسے ہمارے بزرگوں نے اتحاد اور ملاپ کی نشانی کے طور پر ہم سب کے لئے چھوڑا ہے ضرورت ہے کہ ہم اس انمول ورثہ کی قدر کریں" لیکن افسوس کہ یہ آج اردو وطن میں رہ کر بھی بے وطن ہے۔

جے ہند۔







COVER BY S.ANIS.
PRINTED AT JAMAL PRESS, DELHI-6.